© Urdu4U.com

شگوفے

شفیق الرحمٰن

۲۰۰۱ء

• بڑی آپا

وہ بھیا کے ساتھ اکثر ہمارے ہاں آیا کرتا تھا۔ کئی سال سے دونوں ساتھ پڑھتے تھے۔ پہلے پہل بھیا جب اس کی باتیں کیا کرتے تو میرے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی۔ وہ بڑے فخر سے سینہ پھلا کر کہتے۔ "آج رفیق نے یہ کیا' اتنے نمبر لیے' فلاں کھیل میں حصہ لیا۔" ویسے بھیا اور اس کی جوڑی بھی خوب تھی۔ ایک سے قد' ایک سے جسم اور ایک سی عادتیں۔ دونوں سینما کے عاشق' دونوں کھیل کود کے دیوانے۔ جب سائیکلوں پر ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ رکھے سڑک پر جاتے تو دور سے پہچاننا مشکل ہو جاتا۔ البتہ ایک فرق نمایاں تھا' وہ یہ کہ بھیا ذرا سانولے تھے اور اس کا رنگ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے جو نیلے اور کالے سوٹ اس کے رنگ کو نمایاں کر دیتے تھے' وہ بھیا کو اتنے اچھے نہیں لگتے تھے اور ہاں ایک بات اور بھی تھی' وہ یہ کہ اس کی ناک پر ہر وقت کالے شیشوں کی ایک عینک رکھی رہتی تھی۔ بھیا کے بتانے پر معلوم ہوا کہ جناب سینما بہت دیکھتے ہیں جس سے آنکھیں کبھی کبھی سرخ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے یہ عینک لگا رکھی ہے۔

میں اسے چھپ کر شیشوں میں سے اور کواڑوں کی آڑ سے دیکھا کرتی۔ دراز قد' چھریرا اور ورزشی جسم' بکھرے ہوئے بال' چہرے پر ایک عجیب قسم کی معصومیت۔ جب بات کرتا تو بچوں کا سا بھولا پن چہرے پر آ جاتا۔ کچھ ایسا حسین بھی نہ تھا۔ نہ ہی خدوخال ایسے دلکش تھے۔

وہ تقریباً ہر روز ہمارے ہاں آیا کرتا۔ بعض اوقات بھیا پہلے چلے آتے اور شام کو اس

"بس یونہی! آپ وہاں بیٹھے ہوئے اچھے لگتے ہیں۔"
"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔
"آپ وہاں بیٹھے' آپا کے ساتھ!" میں نے منہ پھیر لیا۔
URDU4U.COM
وہ اور آپا پیچھے بیٹھ گئے۔ راستے میں وہ فلم پر تنقید کرتے رہے مگر میں چپ تھی۔ شاید اگر بولنے کی کوشش کرتی تو بھی نہ بول سکتی۔ میں ساری رات روتی رہی۔ کتنے مکار ہوتے ہیں یہ مرد' ان کے نزدیک ایک دل کی کوئی قیمت ہی نہیں ہوتی رو رو کر میں نے اپنا تکیہ بھگو دیا۔
آخر صبح ہو گئی اور میری زندگی کا سب سے منحوس دن طلوع ہوا جس روز میں نے اپنا سب کچھ گنوا دیا۔
بھیا کالج میں تھے۔ آپا کسی سہیلی کے ہاں چلی گئیں۔ امی اوپر تھیں اور ننھا میرے پاس تھا۔ دروازہ کھلا اور رفیق اندر داخل ہوا۔ اس کا چہرہ اتنا سنجیدہ تھا کہ کسی حد تک ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔ وہ کچھ ٹھٹکا' بالکل اسی طرح جس طرح وہ بھیا کی علالت والی رات کو شرما سا گیا تھا۔
"ذرا ادھر آیئے' مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے!"
"کیا ہے؟"
"مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے!"
"آپ کو جو کچھ کہنا ہے' یہیں کہہ دیجیے!" میں نے غصے سے کہا۔
"تو آپ نہیں سنیں گی؟" اس نے پوچھا۔
"کہہ جو رہی ہوں کہ آپ کو جو کچھ کہنا ہے' یہیں کہہ دیجیے!"
"اچھا آپ کو میری باتیں ناگوار لگتی ہیں!"
"ناگوار لگتی ہیں۔ ناگوار لگتی ہیں!" میں نے جھلا کر کہا۔ "بھلا مجھے کسی کی باتیں کیوں ناگوار معلوم ہوں' کوئی کچھ کہے مجھے کیا؟"
وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ گویا سوچتا تھا کہ اب کیا کہوں۔

"میں آپ کو ہمیشہ غلط سمجھتا رہا۔"
"مگر میں نے تو کبھی ایسا اشارہ نہیں کیا مگر یہ میری حماقت تھی جو میں نے یوں سمجھا اور اب تک سمجھتا رہا۔ میں اب آپ کو کبھی تکلیف نہ دوں گا!"
"آپ کی مرضی میں نے کب آپ سے التجا کی تھی۔"
اس نے عجیب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ گویا کہہ رہا ہو کہ مجھے تم سے ایسی امید ہرگز نہ تھی۔ اس کے چہرے پر کرب تھا' بے چینی تھی۔
"بہت اچھا آپ نے وقت سے پہلے بتا دیا کہ آپ کی نظروں میں میری کیا وقعت ہے۔ کاش مجھے پہلے ہی معلوم ہو جاتا۔ اب جب سب کچھ ظاہر ہو گیا ہے۔ ایک بات اور بتا دوں۔ وہ یہ کہ اس سے پہلے بھی اسی قسم کے حالات میں مجھے ٹھکرایا جا چکا ہے۔ مجھے ٹھکرانے والی آپ کو پہلی ہستی نہیں ہیں خدا حافظ۔"
اس نے اپنے سر کو جنبش دی۔ اس کے لبوں پر ایک بھیانک سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں نے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ وہ چل دیا' سر جھکائے ہوئے۔ اس نے پردہ اٹھایا اور بغیر میری طرف دیکھے کمرے سے باہر نکل گیا۔ پردہ ہل رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری قسمت پر ہمیشہ کے لیے پردہ پڑ گیا ہو۔ جی میں آیا کہ اسے آواز دے کر بلا لوں' مگر میری زبان نہ ہل سکی۔ حلق خشک ہو گیا۔ میں کوچ پر گر پڑی۔ جی چاہتا تھا کہ خوب پھوٹ پھوٹ کر روؤں چلاؤں' مگر باوجود انتہائی کوشش کے ایک آنسو بھی نہ نکل سکا۔ میں نے اسے ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا۔
اس کے بعد کیا ہوا؟ آپا دوسرے ہفتے واپس چلی گئیں۔ اتنے دن ہو گئے اس واقعے کو' مگر پھر کبھی رفیق ہمارے ہاں نہیں آیا۔ خدا جانے بھیا سے کیا بہانہ گیا ہو گا۔ پھر ایک دن سنا کہ وہ کہیں چلا گیا۔ نہ اس کا کوئی خط آیا نہ کوئی خبر۔
میرے دل میں ایک پچھتاوا رہ گیا اور ساری عمر رہے گا۔ کاش کہ میں اس کے کی بات سن لیتی جسے سنانے کے لیے وہ اتنا بے تاب تھا۔ خدا جانے وہ اس روز محبت کا پیغام

لے کر آیا تھا یا میری غلط فہمی دور کرنا چاہتا تھا۔

پھر سال کے اندر اندر ہی آپا کی ہمارے ایک رشتہ دار سے شادی ہو گئی۔

URDU4U.COM

میں سوچا کرتی ہوں کہ میرے اس المیے کا باعث میری کمزوری تھی یا بڑی آپا؟ اس معمے کو آج تک حل نہ کر سکی' مگر اس کا وہ فقرہ کہ "مجھے ٹھکرانے والی آپ پہلی ہستی نہیں ہیں۔" مجھے مرتے دم تک یاد رہے گا۔

○○○

دو تارے

میں نے دونوں بازو اوپر اٹھائے' پنجوں پر اچھلا اور سر کے بل چھلانگ لگا دی۔ خنک ہوا کے جھونکوں میں سے گزرتا ہوا مدھم سے ٹھنڈے پانی میں کودا۔ میری انگلیاں ندی کی تہہ سے جا لگیں۔ پھر اچھلا اور پانی کی سطح پر آ گیا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ گلدستے کا کوئی پتہ نہ تھا۔ پانی کا بہاؤ کافی تیز تھا۔ میں پورے زور سے تیرنے لگا۔ ذرا سی دیر کے بعد میں نے گلدستے کو دیکھ لیا جو کافی دور تھا۔ میں پتھروں سے بچتا ہوا بڑی تیزی سے تیرتا جا رہا تھا۔ خوب لمبا سانس لے کر ایک غوطہ لگایا اور پھولوں کے بالکل پاس جا پہنچا۔ یکایک پانی گرنے کا شور سنائی دیا۔ پھوار کے بادل اٹھتے نظر آئے۔ آبشار نزدیک آ گئی تھی۔ میں نے بے تحاشا تیرنا شروع کر دیا۔ اگر فوراً ہی گلدستہ نہ پکڑ لیا تو آبشار میں پھولوں کی پتی پتی بکھرے جائے گی۔ آخر ایک اور غوطے کے بعد میں نے گلدستے کو جا لیا اور شپ سے پکڑ لیا۔ بڑی حفاظت سے اسے کنارے تک لے آیا۔ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ میں کتنی دور چلا آیا تھا۔ ندی کے موڑ اور چیڑ کے درختوں نے اس چٹان کو چھپا دیا تھا جہاں سے چھلانگ لگائی تھی۔ گول گول پتھروں کو پھلانگتا ہوا کنارے کے ساتھ ساتھ واپس جا رہا تھا۔ وہ چٹان بھی نظر آ گئی۔ حیران رہ گیا کہ اتنی بلندی سے کس طرح کود گیا تھا۔ دوبارہ کوشش بھی کروں تو ہمت نہ پڑے۔

پھر اس چٹان پر ایک سفید سا دھبہ بھی نظر آنے لگا جو بڑا ہوتا گیا۔ یہ پروین تھی۔ میں نے پھولوں کو پھر سے چنا۔ بھلا ایسے پھولوں کو کیونکر ضائع ہونے دیتا۔ مسکراتے ہوئے رنگ برنگے معطر پھول' کتنے پیارے۔ بالکل پروین کی طرح!

چھوٹی پگڈنڈی کئی چکر لگا کر پہاڑ پر چڑھتی تھی' لیکن اتنی دیر کون لگاتا۔ میں سیدھا چل دیا۔ لہلہاتے ہوئے سبزے کو روندتا' خود رو پھولدار پودوں اور جھاڑیوں کو پھلانگتا اوپر چڑھ رہا تھا۔ اب پروین اچھی طرح نظر آ رہی تھی۔ پہاڑوں کا چمکیلا سورج ابھی ابھی

جنگلوں سے طلوع ہوا تھا۔ سرد ہوائیں عجیب سی خوشبو پھیلا رہی تھیں۔ نیلا نیلا آسمان' اجلے اجلے بادل' لہراتی ہوئی ٹہنیاں' اور چٹان پر کھڑی ہوئی پروین' سنہرے بالوں اور گلابی چہرے والی جس کی لٹیں ہوا کے جھونکوں سے کھیل رہی تھیں۔

URDU4U.COM

اور جب میں اس کے پاس پہنچ گیا تو وہ مسکرائی۔ میں نے گلدستہ اسے واپس دے دیا۔

ایسا عجیب اتفاق ہوا۔ صبح میں تیرنے کے لیے آیا اور پروین پھول چنتی ہوئی مل گئی۔

ہم دونوں چپ چاپ چل رہے تھے۔ پھر اس نے کہا کہ میں نے یونہی چند پھولوں کے لیے اتنی بلندی سے چھلانگ لگا دی۔ میں نے جواب دیا کہ جب تیرے ہیں تو چھلانگیں بھی لگاتے ہیں۔

پھر دونوں چپ ہو گئے۔

میں نے ڈریسنگ گاؤن کی جیب سے سگریٹ نکالا' پوچھا۔ سگریٹ سلگا لوں؟"

"وہ بولی۔ "ہاں۔"

"سگریٹ پی لوں؟"

"ہاں!" پھر خاموشی میرا جی چاہتا تھا کہ یہ باتیں کرے۔

"یہ وادی کس قدر خوبصورت ہے۔ اودے اودے پہاڑوں کی قطاریں یوں لگ رہی ہیں جیسے سمندر کی لہریں ہوں' اور جھلمل جھلمل کرتے ہوئے چشمے جیسے چاندی کے تار' ان سفید سفید بادلوں نے آسمان میں کیسے عجیب گنبد بنا رکھے ہیں۔

دیکھا؟"

"جی!" وہ بولی۔

اب ہم ایک موڑ سے گزر رہے تھے۔

"بلندی پر وہ آبشار تو دیکھی ہی نہیں تم نے۔ کیسی دھندلی سی قوس قزح نے اسے محیط کر رکھا ہے۔ چاروں طرف پھوار پڑ رہی ہے۔ یہ پانی ان چمکیلی چوٹیوں سے آ رہا ہے' وہاجلی اجلی چوٹیاں جن پر برف جمی رہتی ہے۔ کبھی تم نے یہ پانی چکھا؟ ایسا ٹھنڈا اور شیریں ہوتا ہے کہ کیا بتاؤں۔ اگر تم کہو تو کل وہاں چلیں؟"

"اچھا!"
اب ہم گھر کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔ ان کی کوٹھی پہلے آتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اس مختصر سے وقفے میں بہت سی باتیں ہوں۔
URDU4U.COM
"خوب! ہم تو گھر کے نزدیک پہنچ گئے۔ وہ سامنے صنوبر کا اونچا درخت نظر آ رہا ہے۔ آج کیا پروگرام ہے؟ دوپہر کے بعد سب سیر کو چلیں گے نا؟ نہیں؟ ابا دو بندوقیں لائے ہیں۔ ایک میں لے چلوں گا۔ پرندوں کا شکار کریں گے۔ جو اس جھنڈ کے پیچھے جھیل ہے وہاں چلیں گے۔ وہاں ناشپاتیاں بھی ہیں اور سیب بھی' شاید سٹرابری بھی ہو۔ تم کلیوں اور جنگلی پھولوں کے گلدستے بنانا' میں تیار رہوں گا کہ کب وہ تمہارے ہاتھ سے گر کر نیچے بہتے ہوئے نالے میں جا پڑیں اور میں دھم سے چھلانگ لگا دوں۔"
"لیکن آج دوپہر کے بعد تو آج ذرا وہ مجھے کچھ پڑھنا تھا۔"
اب ان کا گھر آ گیا تھا۔
میں نے جلدی سے کہا۔ "اچھا لائیے جناب ہمارا گلدستہ واپس کر دیجیے۔" اور پھول واپس لے لیے۔
وہ چلی گئی۔ میں کھڑا دیکھتا رہا۔
پھر ایک سرد شام کو میں لمبی سیر سے واپس آ رہا تھا۔ دن بھر کی دوڑ دھوپ سے بالکل تھکا ہوا۔ گلے میں کیمرہ' بندوق' تھیلے اور نہ جانے کیا کیا الابلا گھر اب نزدیک تھا۔ صرف دو موڑ اور رہ گئے تھے۔ یکایک میری نگاہ چیڑ کے درخت کی چوٹی پر گئی جہاں بڑی روشنی ہو رہی تھی۔ لمبے لمبے نوکدار پتوں میں سے ایک بڑا چمکیلا تارا جھانک رہا تھا۔ میں وہیں رک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ پھر چکر کاٹ کر اور اوپر پہنچا۔ ہوا کے جھونکے تیز ہو گئے اور خنکی بڑھ گئی۔ موڑ سے گزرتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک اور تارا بھی چمک رہا تھا' اتنا بڑا' اتنا ہی پیارا۔
پہلے تارے کے بالکل قریب۔
میں مسکراتا ہوا ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور ان دو تاروں کو دیکھنے لگا۔ وسیع آسمان میں جہاں

لا تعداد ننھے ننھے تارے چمک رہے تھے وہاں یہ دونوں روشن ستارے سب کو خیرہ کیے دیتے تھے۔ ایک دوسرے کے بالکل ساتھ ساتھ' جیسے ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں اور فضا

URDU4U.COM

کی ظلمت میں دوش بدوش چل رہے ہوں۔

کتنی دیر تک انہیں دیکھتا رہا۔ سوچا کہ یہ تارے ضرور پروین کو دکھاؤں گا۔ اور جب گھر پہنچا تو عجیب خبط مجھ پر سوار ہو گیا۔ ساری رات نہ سو سکا۔ ذرا ذرا سی دیر کے بعد اٹھتا اور باہر نکل کر دونوں تاروں کو دیکھتا کہ دونوں ساتھ ہی ہیں' کہیں بچھڑ تو نہیں گئے' مگر وہ رات بھر ساتھ رہے۔ جب پچھلے پہر دھندلے ہوئے تب بھی اکٹھے' اور ساتھ ہی غائب ہو گئے۔

اگلی شام کو جب ہم سب سیر سے واپس آ رہے تھے' تو میں نے پروین کو باتوں میں لگا لیا اور ہم دونوں پیچھے رہ گئے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں ہم اسی موڑ پر پہنچے جہاں سڑک کے ایک طرف تو اونچا پہاڑ تھا اور دوسری طرف وادی تھی۔

نیچے کہیں اکی دکی روشنی ٹمٹما جاتی اور پھر اندھیرا ہو جاتا۔ نیا چاند آسمان میں تیر رہا تھا۔ چاروں طرف ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی' بالکل پھیکی سی۔

جہاں دوسرے تاروں کی چمک ماند پڑ گئی تھی وہاں وہ دونوں تارے بالکل اسی طرح چمک رہے تھے بلکہ چاند سے بھی زیادہ روشن تھے۔

"وہ تارے دیکھ رہی ہو؟" میں نے اشارہ کر کے کہا۔

وہ لمبی لمبی پلکیں اٹھائے انہیں دیکھنے لگی۔ میں اس کے جگمگاتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"کیسے ساتھ ساتھ ہیں۔" میں نے کہا۔

"اور رات بھر میں انہیں دیکھتا رہا۔ یہ یونہی اکٹھے سفر کرتے رہے' اور غروب بھی اکٹھے ہوئے۔ مجھے یہ ڈر رہا کہ کہیں بچھڑ نہ جائیں۔

اور جب اس نے بڑی بڑی مسحور کن آنکھوں سے مجھے دیکھا تو میں بے چین ہو گیا۔

نہ جانے ان نگاہوں میں کیا پیغام تھا؟ وہ کیا کہنا چاہتی تھی؟ اس ملگجے دوپٹے کے حاشیے

میں وہ گلابی چہرہ ایک خوابیدہ پھول دکھائی دے رہا تھا' جو ہوا کے جھونکوں سے ابھی ابھی کھلا ہو۔

یوں لگتا تھا جیسے یہ سب کچھ ایک رنگین اور سہانا خواب ہے۔ آسمان پر دمکتے ہوئے تارے یونہی نہیں جھلملاتے۔ ان کے بھی اشارے ہیں۔ رمزیں ہیں۔ شبنم گل سے چپکے چپکے کیا کہہ جاتی ہے؟ چاند سمندر کی لہروں سے رات بھر کیا باتیں کرتا رہتا ہے؟ کنول کے پھول ہوا سے کیا سرگوشیاں کرتے ہیں؟ یہ ایک راز ہے۔

URDU4U.COM

جب ہم واپس آ رہے تھے تو میں انہی تاروں کا ذکر کر رہا تھا۔

میں نے کہا۔ "کہتے ہیں کہ ان تاروں کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق ہوتا ہے۔"

"پتہ نہیں۔" وہ سرد مہری سے بولی۔ "ہوتا ہو گا۔"

وہ یکلخت گھبرا گئی' جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے ڈر جائے۔ اس نے پھر میری طرف نہیں دیکھا۔ میں کچھ نہ سمجھ سکا۔ راستے میں بہت کم باتیں ہوئیں۔ دیر تک سوچتا رہا کہ اس فوری تبدیلی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟

ہمیں پکچر دیکھے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ پندرہ بیس میل دور نیچے ایک سینما تھا۔ پہلے ایک مرتبہ وہاں جا چکے تھے۔ طے ہوا کہ پکچر دیکھی جائے۔ بزرگ حضرات میں سے چند ایک نے اختلاف کیا' بعد میں وہ بھی مان گئے۔

کار میں' میں آگے بیٹھا تھا اور پروین پچھلی سیٹ پر۔ جب ہم ایک اندھیرے جھنڈ میں سے گزر رہے تھے تو میں نے سامنے لگا ہوا شیشہ ترچھا کر دیا۔ اب میں پروین کو دیکھ سکتا تھا اور وہ مجھے۔ پتہ نہیں کار میں کیا باتیں ہوتی رہیں؟ بس میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے۔ لیکن دیکھتے دیکھتے نہ جانے وہ کیوں چونک پڑتی اور جو نگاہیں نیچی کرتی تو میں تنگ آ جاتا۔ یہ معمہ بالکل سمجھ میں نہ آیا۔ نیچے پہنچے' وہاں ایک رنگ برنگا طویل کارٹون دکھایا جا رہا تھا۔

اسمیں سنووائٹ ایک بڑی پیاری لڑکی تھی اور سات چھوٹے چھوٹے مسخرے بونے تھے۔

پوچھیے۔ آپ نے اکثر اخباروں میں میرے متعلق پڑھا ہو گا۔"
"اسے چھوڑو' کھیل کود بے کار چیز ہے۔ اور یہ ڈراما وغیرہ مسخروں کا کام ہے۔ باقی رہا ایم اے میں پڑھنا' سو یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ ہزاروں لڑکے ایم اے میں پڑھتے ہیں۔" وہ بیزار ہو کر بولے۔

URDU4U .COM

"لیکن جناب میرے پاس حوصلہ' امیدیں ہیں' مستقل مزاجی ہے' بلند ارادے ہیں۔"
"ہوں گے! خدا کرے ہوں! نہ جانے مجھے یہ باتیں کیوں غلط بتائی گئیں۔ اگر کہیں مجھے پہلے پتہ چل جاتا کہ تمہارے ہاں......"
اس کے بعد وہ کچھ دیر تک کمرے میں ٹہلے۔ انہوں نے ایک سگریٹ پیا (اکیلے اکیلے) کچھ دیر سر جکائے سوچتے رہے۔ تین چار مرتبہ مجھے دیکھا بھی۔ دیر تک مراقبے میں رہے' پھر بولے۔ "میں کل کہیں باہر جا رہا ہوں۔ بڑا ضروری کام ہے۔ کئی روز تک نہ آ سکوں گا۔ تم یہاں اکیلے اداس ہو جاؤ گے۔ ویسے تمہارا ارادہ کب ہے واپس جانے کا؟"
"چلا جاؤں گا۔"
"ہاں میں کم از کم ہفتہ بھر باہر رہوں گا۔ یہاں تنہا ہو گا۔ اس سے تمہارا کیا جی بہلے گا۔ پھر تمہاری غیر حاضریاں بھی لگ رہی ہیں۔ اچھا' تو بہت دیر ہو گئی کہو تو موٹر نکلوا دوں۔ ویسے راستہ لمبا تو نہیں ہے' کل دس پندرہ منٹ کا ہے۔ میرے خیال میں پیدل بہتر رہے گا۔"
"اچھا!"
انہوں نے ایک ڈھیلا سا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ ہاتھ ملا کر بلکہ ہاتھ چھوا کر میں نے مودبانہ سلام عرض کیا اور چل پڑا۔
دروازے سے مڑ کر جو دیکھتا ہوں تو وہ دونوں نوکدار مونچھیں بالکل لٹک رہی تھیں۔
پرنسپل صاحب کی بڑھیا مونچھوں میں ساڑھے چھ بج چکے تھے۔
دروازے پر شیطان ملے۔ ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلنے لگے۔ بو ایک مرتبہ پھر

چھچی' اس دفعہ میں نے اسے نوچ کر پرنسپل صاحب کے لان میں پھینک دیا۔
کوٹھی کے دروازے پر شیطان نے ایک زبردست فلک شگاف قہقہہ لگایا اور مجھے بھی ان کا ساتھ دینا پڑا۔ ہم کتنے زور سے ہنسے؟ اس کا اندازہ تو نہیں البتہ آس پاس کے درختوں پر جتنے پرندے بسیرا کر رہے تھے وہ سب کے سب اڑ گئے۔
ان باتوں کو ایک عرصہ گزر گیا ہے۔ اب کسی چوک میں گزرتی ہوئی کار کو دیکھ کر ہرگز نہیں ٹھہرتا۔ کسی خاتون کو دیکھ کر اگر میرے بالوں پر مکھی بیٹھی بھی ہو تب بھی نہیں اڑاتا۔ نہ کبھی کسی خاتون کو سلام کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ رات کو ہمیشہ بھوک رکھ کر سوتا ہوں۔
اور جب کبھی کھیل کود کے بعد زیادہ تھک جاتا ہوں تو آنکھیں مندنے لگتی ہیں' غنودگی سی طاری ہو جاتی ہے۔ پرانی یادیں تازہ ہونے لگتی ہیں۔ نظروں کے سامنے سیاہی اور سفید کے ٹکڑے ناچنے لگتے ہیں۔ کچھ تصویریں بن جاتی ہیں۔ پھر وہ متحرک ہو جاتی ہیں۔ تب سامنے رکھے ہوئے ٹائم پیس کے گرد ایک ہالہ بن جاتا ہے۔
کبھی کبھی شام کو ساڑھے چھ بجے ایک جوڑی بڑھیا' نوکدار' چمکیلی' تاؤ شدہ مونچھیں یاد آ جاتی ہیں جن پر پہلے گیارہ بج کر پانچ منٹ تھے' پھر سوا نو اور اسی طرح آخر میں ساڑھے چھ بج گئے تھے۔

○○○

• یونہی

یونہی ضد کی میں نے' اور بعد میں اپنی حماقت پر ہنسی بھی آئی۔ گرمی کا یہ حال کہ الاماں' سب کے سب پہاڑ پر جا رہے ہیں اور میں ہوں کہ ٹھہرنے کے لیے مچل رہا ہوں۔
URDU4U.COM
اس لیے کہ پاگل خانے میں ہماری چند کلاسیں باقی تھیں۔ ہمیں دماغی بیماریوں پر لیکچر دیئے گئے تھے۔ پروفیسر صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ ہمیں پاگل خانہ دکھائیں گے۔ پاگلوں کو دیکھنے کا مجھے بڑا شوق تھا۔ سارا سارا دن یہی سوچتا رہتا کہ پاگل کیسے ہوتے ہوں گے؟

ویسے کلاسیں پہلے ہی ہو جاتیں' لیکن کسی نہ کسی بہانے ملتوی ہوتی رہیں۔ حتیٰ کہ بری طرح گرمی پڑنے لگی۔ سب پہاڑ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے' لیکن میں اڑا رہا کہ کلاسوں کے بعد آؤں گا۔ خوب مذاق اڑایا گیا کہ پاگلوں کو دیکھنے کے لیے ٹھہر رہا ہے' خدا خیر کرے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ یہ نہیں مانتا تو اجازت دے دی اور چلتے ہوئے ہدایت کی۔ "کلاسوں کے بعد فوراً ہی آ جانا۔ تمہاری حرکتوں سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں تمہیں وہاں کی آب و ہوا پسند نہ آ جائے۔"

وہ سب چلے گئے۔ ادھر انتظار شروع ہو گیا۔ آخر خدا خدا کرکے وہ دن طلوع ہوا جس کی مدت سے راہ تک رہا تھا۔ ہم سب پاگل خانے پہنچے' وہاں ہمیں "آداب پاگل خانہ" پر مختصر سا لیکچر دیا گیا اور اس کے بعد پاگل دکھائے گئے۔ ہنستے ہنستے ہمارے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

پاگل کیسے عجیب ہوتے ہیں۔ ابھی چیخیں مار مار کر رو رہے تھے' ابھی کھلکھلا کر ہنس دیں گے۔ پھر فوراً سنجیدہ ہو جائیں گے۔ کوئی شعر پڑھ رہا ہے' کوئی پکے راگ گا رہا

ہے۔ تقریباً سارے پاگل پکے راگ گاتے تھے‘ کیونکہ ہماری سمجھ میں ایک گانا بھی نہ آیا۔ اس روز ہماری کلاس بہت جلد ختم ہو گئی۔ راستے بھر ہم خدا کا شکر ادا کرتے آئے جس نے ہمیں ذی ہوش بنایا۔ اگر خدا نخواستہ پاگل ہوتے تو کیا ہوتا؟ رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اس خیال پر۔

URDU4U.COM

اگلے روز پھر وہیں گئے۔ ایک صاحب بڑی مسمی صورت بنائے ہوئے آئے اور چپکے سے کرسی پر بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو ان کی بڑی تعریفیں کیں پھر پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

انہوں نے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اسی لہجے میں کہا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

ڈاکٹر صاحب ہنسے اور بولے۔ "تم گھر جاؤ گے؟"

انہوں نے بڑی متانت سے جواب دیا۔ "اور تم گھر جاؤ گے؟"

لڑکے ہنسنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب ذرا سنجیدہ ہو کر بولے۔ "بیوقوف سوالوں کا جواب دو۔"

انہوں نے بھی اسی انداز سے کہا۔ "بیوقوف سوالوں کا جواب دو۔"

لڑکے قہقہے لگانے لگے۔

ڈاکٹر صاحب خفا ہو کر بولے۔ "جواب بھی دو‘ گدھے کہیں کے!"

انہوں نے ذرا سوچا‘ پھر بڑی آہستگی سے کہا۔ "جواب بھی دو گدھے کہیں کے!"

ڈاکٹر صاحب چیخ کر بولے۔ "شٹ اپ!"

انہوں نے چنگھاڑ کر کہا۔ "شٹ اپ!"

ایک صاحب ایک درخت کے نیچے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ چونکہ بقیہ پاگل شور مچا رہے تھے‘ اس لیے ہم ان کے پاس چلے گئے۔

"آداب عرض!" انہوں نے ہماری طرف دیکھ کر کہا۔

"آداب عرض!" ہم بولے۔

"بھلا دیکھیے تو سہی۔ کہیں میں پاگل ہوں؟ ان کم بختوں نے زبردستی مجھے پاگل بنا رکھا ہے۔ مجھے بھی تو پتہ چلے' آخر کیا بات ہے مجھ میں پاگلوں کی سی۔ آپ مجھ سے سوال پوچھیے' میں جواب دوں گا۔"

URDU4U.COM

سوال پوچھے گئے۔ انہوں نے صحیح جواب دیے۔

پھر ہم نے پوچھا۔ "تمہاری عمر کیا ہو گی؟"

بولے۔ "اب تو پتہ نہیں۔ ویسے میرا ایک چھوٹا بھائی ہے' جو دو سال گزرے مجھ سے دو سال چھوٹا تھا' اب وہ نالائق مجھ جتنا ہو گیا ہے اور اگلے سال مجھ سے ایک سال بڑا ہو جائے گا۔"

"تو کیا ان دنوں تم نہیں بڑھ رہے؟" کسی نے پوچھا۔

"اجی اب میں کیا بڑھوں گا۔ جتنا بڑھنا تھا بڑھ چکا۔" وہ بولے۔

"آپ یہاں آئے کس طرح؟" ہم میں سے کوئی بولا۔

"کیا بتاؤں صاحب! ایک ہی دن میں ہمارے ہاں بے شمار انتقال ہو گئے۔ ایک سوتیلی بھتیجی' ایک خلیا ساس' ایک دور دراز کے رشتے کی نانی جان' سب منتقل ہو گئیں۔ سنتے ہیں کہ اس روز میں نے کچھ الٹی سیدھی حرکتیں کیں اور یہ مجھے پکڑ لائے۔ ان باتوں کو کئی سال گزر چکے۔ انہیں بار بار یقین دلاتا ہوں کہ میں پاگل نہیں' لیکن کوئی سنتا بھی ہو' خدا کے لیے آپ ہی انہیں سمجھائیے۔"

ہمیں اس غریب پر ترس آ رہا تھا اور پاگل خانے والوں پر غصہ۔ ہم نے اسے یقین دلایا کہ مہتمم صاحب سے مل کر اس کی سفارش کریں گے۔

"کچھ نہ کچھ تو خلل ضرور ہو گا آپ کے دماغ میں!" ایک طرف سے آواز آئی۔

"بالکل نہیں۔ میں اچھا بھلا صحیح الدماغ شخص ہوں۔ البتہ ایک ذرا سا نقص ہے؟"

"وہ کیا؟" ہم سب بولے۔

"وہ یہ کہ بعض اوقات میں کچھ کچھ مرغ بن جاتا ہوں۔"

"مرغ بن جاتے ہو! کیا مطلب؟"

"یہی کہ بیٹھا ہوں۔ اچھی اچھی باتیں کر رہا ہوں۔ پھر ایک دم مرغ بن جاتا ہوں۔ اب! .... اب دیکھئے' میں مرغ بن رہا ہوں۔ ککڑوں' کوں' ککڑوں' کوں۔"

URDU4U .COM

ایک صاحب جو نہایت خوش پوش تھے' بیٹھے سگریٹ پی رہے تھے۔ ہم نے سوچا یہ ضرور کم پاگل ہوں گے۔

ہمیں دیکھ کر وہ بڑی بے نیازی سے مسکرائے۔

ایک لڑکے نے پوچھا۔ "کیوں صاحب! آپ پاگل ہیں؟"

وہ بولے۔ "جیسے کہ آپ!"

کوئی بولا۔ "جیسے کہ آپ!"

کوئی بولا۔ "کیا بات کی یہ .... خبطی معلوم ہوتا ہے۔"

وہ بولے۔ "جیسے کہ آپ۔"

کوئی اور بولا۔ "دیوانہ ہے!"

انہوں نے فوراً جواب دیا۔ "جیسے کہ آپ"

ایک صاحب چڑ کر بولے۔ "جیسے کہ آپ! جیسے کہ آپ! جیسے کہ آپ کیا ہوا؟"

جواب ملا۔ "جیسے کہ آپ!"

ایک اور صاحب ملے جو نہایت معقول دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ہمارا استقبال کیا بلکہ ایک شعر بھی پڑھا پھر فرمائش کی کہ کوئی اچھا سا شعر انہیں سنایا جائے۔

ایک لڑکے نے یہ شعر پڑھا۔

ترے کوچے اس بہانے مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

کیا تو وہ مسکرا رہے تھے اور کیا یک لخت غمگین ہو گئے۔ بولے "یہ شاعری ہے؟ کیا

اسے شاعری کہا جاتا ہے؟ افسوس ہے آپ لوگوں کی ذہنیت پر، اور ملک کی حالت پر۔ جو شاعری غدر کے زمانے میں تھی، وہی اب تک چلی آتی ہے۔ توبہ توبہ ہم لوگ بھی کتنے قدامت پسند ہیں؟ آج کل نئے نئے ہتھیار آ گئے ہیں، لیکن ہمارے ہاں وہی خنجر، نیمچہ اور کٹارا استعمال کرتے ہیں۔ نہ کہیں پستول کا ذکر ہے نہ رائفل کا۔ ایک سے ایک اچھا ساز رائج ہے ...... وائلن، کلا یونٹ، گٹار، لیکن ہمارے شعروں سے بانسری اس بری طرح چمٹی ہے کہ اسے پنشن ہی نہیں ملتی!"

ہم اس مدلل گفتگو پر حیران رہ گئے۔

"تو کیا یہ شعر جو ابھی پڑھا گیا ہے، غلط تھا؟" کسی نے پوچھا۔

"تعجب ہے کہ آپ لوگ اب بھی اسے شعر ہی سمجھ رہے ہیں۔ ذرا پھر پڑھیے۔"

انہوں نے دوبارہ شعر سنایا۔

وہ کچھ دیر سوچتے رہے پھر بولے۔ "یہی خیال اگر اس طرح ظاہر کیا جاتا تو بہتر ہوتا۔

دھندلی دھندلی شام کے لمحات میں
کام سے فرصت ہو جب
سائیکل لے کر کرائے کی، ترے کوچے کا رخ
سائیکل بے لیمپ اور ہر دم کرائے کا خیال!
عاشقی کی یہ روایات قدیم
کہ ترے کوچے میں ہر رہ گیر سے باتیں کروں
ہر جوان و پیر سے باتیں کروں
اور ٹریفک کے سپاہی کا بھی فکر
جانے کب سیٹی بجا کر آ پڑے
اور پوچھے سائیکل کا لیمپ ہے حضت کہاں؟
آہ یہ مجبوریاں!

غیر کاروں میں پھریں

اور
ہم عشاق
سائیکل' وہ بھی کرائے کی ملے
ہائے رے ظالم سماج!

یاد آتا ہے ہمیں
دھندلی دھندلی شام کے لمحات میں
جانا کوچے میں ترے.......

URDU4U .COM

دیکھئے کس قدر بہتر چیز ہو گئی!" انہوں نے فاتحہ انداز سے ہمیں دیکھا۔
"تو پھر شاعری بیکار ہے کیا؟" ایک نے پوچھا۔
"اجی بیکار کون مسخرہ کہتا ہے؟ شاعری تو بڑی کار آمد چیز ہے۔ شاعری کام آنی چاہیے۔ سرمایہ داری کے خلاف' شعر کہو مزدوروں کی حمایت میں لکھیں۔ غزلیں لکھو' مزدوروں کے رشتہ داروں کے بارے میں' سماج کے متعلق' سماج کے اجارہ داروں کے متعلق۔ غزلوں کے عنوان ہوں۔ "مزدور کا بہنوئی" "مزدور کی ساس" یا پھر سرمایہ داروں کی رعونت پر بھی دو غزلے' سہ غزلے لکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً سرمایہ دار کے مٹی ڈھونے سے انکار پر ایک بہت عمدہ غزل کہی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ...... سرمایہ دار کی اپنی لڑکی اور چوکیدار کے عشق پر خفگی ...... اور "امیری اور غریبی میں جوتا چلنا' بھی اچھے موضوع ہیں۔ دیکھئے نا یہ سماج ہی کا قصور ہے' آخر سرمایہ دار اپنا سارا روپیہ پبلک میں تقسیم کر کے کاشی یا حج کو کیوں نہیں چلے جاتے؟ اور یہ لوگ بھی پاگل ہی ہیں' کیوں نہیں کسی دن سارے امیروں کی کوٹھیوں پر ہل چلا دیتے ہیں؟"
"صاحب سماج کے متعلق کیا لکھا جائے؟"
"اجی سماج کا بھانڈا پھوڑ دیا جائے۔ سماج ہمیں کچھ بھی نہیں کرنے دیتا' ہماری زندگی تلخ کر رکھی ہے؟"

"غالباً آپ سماج کے غم میں گھل گھل کر یہاں پہنچے ہیں۔" کوئی بولا۔

"اجی میں کیا' سماج نے تو بہتوں کو یہاں پہنچایا ہے اور بہت سے یہاں آئیں گے۔"

URDU4U.COM

"لیکن یہ کیا سماج کیا چیز ہے؟ کوئی خفیہ جماعت ہے یا کوئی خونخوار جتھہ؟"

"آپ کو یہ بھی نہیں پتہ؟ ...... سماج جو ہے تو وہ ...... بس سمجھ لیجئے کہ سماج ہی ہے۔"

ہم سب خاموش ہو گئے۔ وہ پھر بولے۔

"اجازت ہو تو دو چار شعر نئی شاعری کے سناؤں۔"

"ضرور ...... ضرور!"

"اس میں مصرعوں کے طول و عرض پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ آج کل کا زمانہ ہے مصروفیت کا' بھلا کس کو فرصت ہے کہ سارا دن ایک شعر کا وزن تولنے پر ضائع کرے۔ عرض کیا ہے۔

"زیرِ دیوار کھڑے ہیں ترا کیا لیتے ہیں ...... ہم کوئی چور ہیں؟"

پھر بولے۔

"ابر ہے' سبزہ ہے اور گلزار ہے ...... کہیں زکام نہ ہو جائے۔"

لڑکوں نے جی کھول کر داد دی۔

پھر فرمایا۔

"جو دیکھی نبض تو بولا یہ ظالم

(بڑی جوش سے) جو دیکھی نبض تو بولا یہ ظالم

بھئی یہ تو مرے گا!"

ہم نے پھر شور مچایا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے بولے۔ "چلتے چلتے ایک اور شعر سن لو' عرض کیا ہے۔

"کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

(ترنم سے) کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

کہیں وہ کچھ چرا نہ لیں!"

اس طرح ہم کئی دفعہ وہاں گئے' طرح طرح کے تماشے دیکھے۔ دل کھول کر ہنسے۔ میں خوش تھا کہ سارے پر لطف واقعات سری نگر پہنچ کر سب کو سناؤں گا۔ انہیں بھی تو پتہ چلے کہ میں نے یونہی وقت ضائع نہیں کیا تھا۔

URDU4U.COM

علی الصبح لاری میں بیٹھا۔ نہ جانے پاگلوں کو دیکھ دیکھ کر کیا وہم ہو گیا تھا کہ ہر طرح ای کک کو گھور گھور کر دیکھتا تھا۔ وہ تو شکر ہے کہ کالی عینک لگا رکھی تھی ورنہ ضرور کسی نہ کسی سے جھڑپ ہو جاتی ہے۔

لاری ایک شہر میں رکی۔ ایک بزرگ نے سر باہر نکالا۔ ادھر ایک بالکل اسی نمبر اور اسی سائز کے بزرگ آتے دکھائی دیئے۔

"اخاہ! شیخ صاحب!" یہ چلا کر بولے۔

"افوہ! میر صاحب!" انہوں نے چیخ کر جواب دیا۔

"ہاہاہاہا"

"ہی ہی ہی ہی"

"سنایئے۔"

"سنایئے۔"

اس تمہید کے بعد اصل باتیں شروع ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ میر صاحب کہیں ہیلتھ آفیسر ہیں۔ وہ ہندوستان کی جہالت پر افسوس کر رہے تھے کہ لوگ بالکل بے بہرہ ہیں اور خاص طور پر کشمیر میں تو خصوصاً۔

"تبھی تو یہاں اتنی وبائیں پھیلتی ہیں۔ پچھلے ہی دنوں یہاں چیچک پھوٹی تھی۔"

شیخ صاحب بولے۔ "جی ہاں! آپ کا بجانا بالکل فرما ہے۔ نہ نہ میرا مطلب ہے آپ کا فرمانا بالکل بجا ہے۔"

میر صاحب بولے۔ "اور آپ کو سن کر تعجب ہو گا کہ ہماری اتنی کوششوں کے باوجود لوگوں نے چیننک کا ٹیچا یعنی ٹیچک کا ٹیچا' معاف کیجئے چیننک کا ٹیکہ .... ہاں تو بات

یہ ہے کہ کسی نے مٹنک کا ٹوٹا .... اف٘وہ کیا خبطی ہوں میں بھی یعنی کسی نے ٹوٹک کا ٹیچا .... (پھر لمبا سانس لے کر بولے) لا حول ولا قوہ .... کسی نے چیچک کا ٹیٹا .... (زور سے) آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں نا .... یعنی ٹیچک کا۔"

URDU4U.COM

"چیچک کا ٹیکا!" شیخ صاحب چپکے سے بولے۔

"جی ہاں' بس وہی!" میر صاحب کی جان میں جان آئی۔ جی تو وہ لوگوں نے نہیں کرایا۔"

اس کے بعد کئی مرتبہ چیچک کے ٹیکے کا ذکر ہوا' لیکن میر صاحب کچھ ایسے سہم گئے کہ انہوں نے عمداً اس خوفناک لفظ سے پرہیز کیا۔

ایک صاحب اپنے سامنے چھوٹا سا نقشہ کھولے بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا کہ لاہور میں مکان بنائیں گے اور اپنے بھائی صاحب سے مشورہ لینے جموں جا رہے ہیں۔ وہ ایک دبلی پتلی سی نوٹ بک بار بار پڑھتے اور پھر نقشہ دیکھنے میں مصروف ہو جاتے۔ میں نے ذرا جھک کر دیکھا۔ عجب فضول سا نقشہ تھا۔ ایک پیلے کاغذ پر بے ڈھنگے خطوط تھے۔ ایک کونے میں کچھ نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ کچھ لائنیں پنسل کی تھیں اور کچھ رنگین روشنائی کی۔ کاغذ پر چکنائی اور ہلدی کے دھبے بھی تھے۔ شاید شوربا گر چکا تھا۔

وہ لگاتار اسی نقشے کی تلاوت میں مصروف رہے۔

جموں میں ان کے بھائی منتظر ملے' چونکہ ان کا نوکر ابھی نہیں آیا تھا' اس لیے لاری کے پاس کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

ان کے بھائی بولے .... "ہاں ہاں! بھئی پڑھے ہیں تمہارے خط' پڑھے کیا ہیں سونگھے ہیں۔ تمہارا لکھا تو کوئی کوئی پڑھ سکتا ہے۔ خاک سمجھ میں نہیں آیا کہ تم نے کون سی جگہ چنی ہے۔"

"تو پھر نوٹ بک سے پڑھ کر سنا دوں؟"

ان کے بھائی نے سر ہلا دیا۔

انہوں نے نوٹ بک نکالی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ "حلوائیوں کے محلے سے جو سڑک نائیوں

کے کوچے کی طرف جاتی ہے۔ اس کے چوک سے بائیں طرف مڑ کر قطب الدین کباڑیے کی دکان سے جو سڑک نکلتی ہے' اس کے چوک سے بائیں طرف مڑ کر ایجاد علی پنساری

URDU4U.COM

کی دکان کی طرف چلنا شروع کر دیں اور اس کے چوک سے بائیں طرف مڑ کر .... معاف کیجئے آپ قطب الدین کباڑیے کو تو جانتے ہیں نا؟"

"ہاں جانتا ہوں۔"

"افوہ! یاد آیا' اسی کے ہاں سے تو آپ پرانے پرچے خریدا کرتے تھے' جی ہاں تو پھر اس چوک سے بائیں طرف مڑ کر!"

"کون سے چوک سے؟"

"اجی اسی چوک سے جو قطب الدین کباڑے کی دکان کی بائیں طرف مڑ کر' جو کہ ہے ایجاد علی پنساری کی دکان سے بائیں طرف مڑ کر' جو کہ ہے!"

"میں سمجھ گیا' تو آخر وہ جگہ ہے کہاں؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔ تو وہاں سے ایک پتلی سی گلی نکلتی ہے جو ہو گی کوئی ڈیڑھ سو گز لمبی اور سوا گز چوڑی۔ اس میں آپ چلتے جایئے۔ آخر ایک ایسی جگہ آئے گی جہاں گلی بند ہو جائے گی اور آگے کوئی راستہ نہ نکلے گا۔ فوراً بائیں ہاتھ کی حویلی میں بغیر دروازہ کھٹکھٹائے داخل ہو جایئے۔ دراصل وہ دروازہ ہی دروازہ ہے۔ وہاں حویلی وویلی کچھ نہیں ہے۔ وہاں سے آپ کو ایک راستہ ملے گا جو ایک نالے کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ پھر اندر.......!"

"باقی زبانی بتا دو۔"

"اچھا!" انہوں نے نوٹ بک بند کر لی۔ "تو عین اس نالے پر وہ جگہ ہے' پڑوس میں ایک گلاب کا باغیچہ ہے۔ آخر کچھ نہ کچھ خوشبو تو وہاں ضرور آیا کرے گی۔"

"چچ چچ .... چچ!" ان کے بھائی صاحب بولے۔ "سچ پوچھو تو مجھے یہ جگہ پسند نہیں۔ اول تو وہاں پہنچنا مشکل ہے اور اگر پہنچ گئے تو نکلنا مشکل ہے اور کوئی جگہ نہیں کیا؟"

"اجی ہے تو' مگر وہ قوالوں کے محلے میں ہے۔ چوبیس گھنٹے وہ چیخم دھاڑ رہتی ہے کہ

بس خدا کی پناہ!"

"واہ واہ!" ان کے بھائی خوشی سے چہک کر بولے۔ "کیا بات ہے!" قوالوں کا محلّہ ہے سچ مچ! بڑا لطف رہے گا۔ کہاں ہے وہ جگہ؟"

URDU4U.COM

"آپ موچی دروازے سے چلئے اور ذرا سی دور جا کر بائیں طرف مڑ جایئے۔ پھر ذرا دور جا کر دائیں طرف، وہاں سے ایک چوڑی سی گلی میں چلے جایئے، پھر کافی دور جا کر دائیں طرف مڑ جایئے۔ پھر بائیں طرف!"

"میرا خیال ہے کہ میں وہاں کبھی گیا ہوں۔" ان کے بھائی بولے۔

"آپ بھی نہ گئے ہوں، مگر آپ کے عزیز دوست قلندر حسین تو وہیں رہتے ہیں۔ اور ان کے وہ دوست حضرت ہوشیار پوری اور لالہ امرت امرتسری بھی وہیں رہتے ہیں۔"

"قلندر حسین وہاں رہتے ہیں؟ ایمان کی قسم؟" وہ چیخ کر بولے۔

"اجی یہ قلندر حسین خوب آدمی ہیں۔ اس دن میں ایک صاحب کے ساتھ وہاں گیا۔ وہاں جہاں ان کے وہ جو دوست رہتے ہیں جن کی داڑھی یوں ہے۔ (ہاتھ سے بتا کر) جب میں وہاں پہنچا تو یہ جا چکے تھے، اپنے ان دوست کے ہاں، جن کی مونچھیں یوں ہیں۔

یہ وہاں بھی نہیں ملے، خیر! تو ہم دوسرے روز پھر وہیں گئے، وہ پھر نہیں ملے۔ اس دفعہ ان کے گھر سے کوئی نکلا اور بولا کہ آپ کے آنے سے ذرا دیر پہلے وہ وہاں چلے جاتے ہیں۔ اب ہم وہاں جانے لگے۔ (ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرکے) وہاں .... جہاں وہ جایا کرتے تھے۔ وہاں جا کر ہمیشہ پتہ چلتا کہ وہ تو (دوسری طرف بازو اٹھا کر) وہاں چلے جاتے ہیں۔ خیر! اس روز ہم ان کے ساتھ وہاں بھی گئے۔ وہاں معلوم ہوا کہ وہاں وہ تھے ہی نہیں!"

"خوب خوب، تو گویا وہ وہاں کبھی نہیں گئے؟"

"اجی وہاں تو گئے تھے، لیکن (زور لگا کر) وہاں کبھی نہیں گئے، جہاں ہمیں لوگوں نے تب بتایا تھا جب ہم وہاں گئے تھے۔"

"لا حول ولا .... تو تم (اشارہ کرکے) وہاں کیوں نہیں گئے جہاں وہ اس دفعہ گئے تھے۔"

"اجی یہی تو رو رہا ہوں کہ وہاں ملے ہی نہیں' جہاں ہم اس مرتبہ گئے۔ دراصل وہ جاتے ضرور تھے' وہاں بھی .... اور وہاں بھی .... لیکن (زور لگا کر) وہاں کبھی کبھار جاتے تھے۔"

URDU4U.COM

"تو پھر وہ کبھی ملے آپ کو؟" ایک بیزار سے شخص نے پوچھا جو اس گفتگو کو بڑے انہماک سے سن رہے تھا۔

دونوں بھائی ناراض ہو گئے اور بڑی قہر بھری نگاہوں سے اس بد نصیب انسان کو دیکھا۔

ان کا نوکر بھی آ گیا تھا جو سامان اٹھا رہا تھا۔

"اچھا تو اب گھر چلیں۔"

"جی ہاں چلئے۔" انہوں نے کہا۔ "تو میں کہہ رہا تھا کہ قلندر حسین صاحب پھر کہیں اور جانے لگے' لیکن نہ تو وہاں (اشارہ کرکے) اور نہ (زور لگا کر) وہاں۔ بلکہ (ایک اور طرف اشارہ کرکے) وہاں .... جہاں وہ کبھی نہیں گئے تھے' اور پھر ...."

ان کی آوازیں دھیمی ہوتی گئیں۔ وہ کافی دور جا چکے تھے۔ ان کی گفتگو سنائی نہیں دے رہی تھی' البتہ ہاتھوں کا مٹکانا اور سروں کا گھمانا اس بات کا شاہد تھا کہ ابھی تک قلندر حسین صاحب مدظلہ ہی کے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ وہ کہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ وہاں .... یا (زور لگا کر) وہاں۔

سامنے کی سیٹ پر دو دبلے پتلے کھدر پوش اپنے سامنے بیٹھے ہوئے لمبے تڑنگے شکاری سے کہہ رہے تھے۔ "میں انقلاب چاہتا ہوں۔ ایک ایسا انقلاب جسے میں نے خوابوں میں دیکھا ہے۔ جس کی تمنا میرے دل میں مچلتی رہی ہے' میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش .... ایک انقلاب!"

شکاری صاحب بولے۔ "کس قسم کا؟ اور کس نمبر کا؟" غالباً وہ سمجھے کہ کسی کارتوس کا ذکر ہو رہا ہے۔

برابر بیٹھے ہوئے مولانا بولے۔ "لا حول ولا قوۃ!"

کھدر پوش صاحب نے اپنی آنکھیں گھمائیں اور انگلی نچا کر بولے۔ "جب وہ انقلاب آئے گا تو ہم سماج کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ آہ! اس ظالم وحشت ناک درندے نے ہماری

URDU4U.COM

نسلوں کو تباہ کر ڈالا ہے۔"

"کون سے جنگل کی بات ہے؟" شکاری صاحب نے پوچھا۔

مولانا بولے۔ "اجی لا حول ولا' آپ تو شکاری معلوم ہوتے ہیں۔"

کھدر پوش کہہ رہے تھے۔ "ہم میں سپاہی بننے کی صلاحیت اب تک موجود ہے۔ ہم تلواروں سے کھیل سکتے ہیں' سب کچھ کر سکتے ہیں۔ ہماری رگوں میں جنگجو قوموں کا لہو زور مار رہا ہے' اور ...... اور (شکاری سے) صاحب آپ کے پاس پنسل تراش ہو گا کیا؟ یہ پنسل ٹوٹ گئی ہے ذرا.....!"

شکاری صاحب نے پہلے تو اپنے تیس چالیس جیبوں والے کوٹ کو جھنجھوڑا۔ پھر کسی جیب سے ایک ڈیڑھ ہاتھ لمبا چاقو نکالا اور کھول کر صاف کرنے لگے۔ کھدر پوش کی جیسے روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ سہم کر بولے۔ "اجی اسے وہیں رہنے دیجئے' خطرناک ہتھیاروں سے یوں نہیں کھیلا کرتے۔ یقیناً مجھے پنسل کی کوئی ضرورت نہیں' خدا کے لیے اسے بند کر لیجئے۔ میرے پاس پارکر کا قلم موجود ہے۔ شکریہ!"

مولانا ہنستے ہوئے بولے۔ "لا حول ولا قوہ ..... آپ ضرور شکاری ہیں۔"

"جی ہاں' میں شکاری ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"جی نہیں' بھلا مجھے' لا حول ولا ..... کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ بھی خوب رہی' لا حول ولا ..... آپ اکیلے ہی ہی کیا؟"

"جی ہاں' اکیلا ہوں۔ بندوقیں اور کتے پہلے پہنچ چکے ہیں۔ تین لا جواب بندوقیں ہیں اور گیارہ کتے۔ جن میں سے چار تو خاصے بڑے ہیں' اتنے اتنے جتنا آپ کا یہ لڑکا .... اور باقی یہی کوئی تیس چالیس سیر کے ہیں۔"

اس مرتبہ مولانا با قرات بولے "لاحول ...... ولا .... قوہ .... الا ...... بلا۔"

"کیوں صاحب! آپ ہم سے بد ظن ہیں کیا؟" شکاری نے پوچھا۔

"لا حول .... کون کافر بد ظن ہے؟"

"تو آپ ہمیں یہاں سے بھگانا چاہتے ہیں؟ یا آپ کو ہم پر شبہ ہے؟"

"میں سمجھا نہیں' لا حول ولا ....!"

URDU4U.COM

"یہ کیا آپ بار بار لا حول پڑھ رہے ہیں؟"

"لا حول ولا قوہ .... (وہ شرما گئے) .... کوئی جان بوجھ کر تھوڑا ہی کہتا ہوں' یونہی منہ سے نکل جاتا ہے۔ بس لا حو......" (بڑے ضبط سے انہوں نے بقیہ حصہ روکا) پھر وہ یک لخت چپ ہو گئے۔

ایک جگہ وہ اترنے لگے۔ لاری ٹھہرتے ہی کچھ دیر ادھر ادھر جھانکتے رہے' پھر یکایک چیخ کر بولے۔ "اماں عبدالقدوس صاحب' لا حول ولا قوہ"

جن صاحب کو کو مخاطب کیا گیا تھا' انہوں نے بھی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "ارے لا حول ولا قوہ۔ کہاں ہو بھئی؟"

"لا حول .... ادھر دیکھو بھی۔ اماں عبدالقدوس صاحب لا حول ولا قوہ۔"

ان کا سامان اتار دیا گیا اور لاری چلنے لگی۔ شکاری نے اپنے آس پاس بیٹھے ہوئے حضرات کے کان میں کچھ کہا اور پھر بلند آواز سے بولے۔ "نعرۂ لا حول!"

وہ سب چلا کر بولے۔ "لا حول ولا قوہ .... الا .... باللہ۔"

مولانا کھسیانے ہو گئے۔ ان کے ہونٹ ہلے۔ انہوں نے کچھ کہا۔ ہم سن تو نہ سکے غالباً لا حول ہی پڑھی ہو گی۔

لاری میں رونق کم ہو گئی۔ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پیچھے کی سیٹ پر ایک جوڑا بیٹھا تھا۔ ایک حسین لڑکی اور ایک بدتمیز سا لڑکا۔ بد تمیز یوں کہ اس کی حرکات بالکل فضول سی تھیں۔ دونوں نئے نئے شادی شدہ معلوم ہوتے تھے۔

لڑکی کہہ رہی تھی۔ "ذرا نیچے دیکھیے تو سہی' نالے کا پانی کس طرح جھاگ اڑا رہا ہے۔ پتھروں سے سر دے دے کر کے مارتا ہے' جیسے کسی کا ماتم کر رہا ہو۔ بھلا اسے